رسائل و مسائل

مفتی محمد یوسف صاحب کی کتاب کے متعلق ایک سوال

(ابوالاعلیٰ مودودی)

سوال۔ مفتی محمد یوسف صاحب کی کتاب جس میں آپ پر اعتراضات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے، ابھی ابھی شائع ہوئی ہے اور مَیں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ ماشاءاللہ کتاب ہر لحاظ سے مدلّل ہے جن لوگوں کو واقعتہً کچھ غلط فہمی ہوگی وہ تو دُور ہو جائے گی، لیکن جو ضدّی اور عنادی ہیں ان کا علاج مشکل ہے مَیں نے کئی دوستوں کو مطالعہ کے لیے دی چنانچہ وہ مطمئن ہو گئے لیکن ایک مولانا صاحب نے کتاب پڑھنے کے بعد یہ کہا کہ مجھے تسلّی ہو گئی ہے لیکن ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ مفتی صاحب نے جو توجیہات کی ہیں خود مولانا مودُودی نے ان کا انکار کیا ہے اور اسی واسطے اس کتاب کی تقریظ اور تصدیق انہوں نے نہیں کی۔ مَیں نے کہا اگر ان کو اختلاف تھا تو ان کی کتابوں کے ناشر نے اسے کیوں شائع کیا اور اس پر کیوں دیباچہ لکھا؟ مزید برآں ترجمان القرآن، ایشیا، آئین میں اس کتاب کا اشتہار کیوں دیا گیا ہے؟ لیکن وہ صاحب مُصر ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کے اختلاف کے باوجود ہے اور جماعت کے بعض آدمیوں کی مرضی سے ہُوا ہے، خود مولانا مودُودی صاحب ایسا نہیں چاہتے تھے۔ ان مولوی صاحب کا اصرار ہے کہ اگر آپ کی بات دُرست ہے تو خود خط کے ذریعہ معلوم کر کے دیکھ لو۔ چنانچہ اسی خاطر یہ مختصر سطور تحریر کر کے ارسالِ خدمت ہیں کہ آپ اپنے قلم سے اس قسم کے لوگوں کی تسلّی کی خاطر چند سطور لکھ دیں۔"

جواب۔ جن مولوی صاحب نے آپ سے یہ کہا کہ مولانا مفتی محمد یوسف صاحب نے اپنی کتاب میں میری عبارتوں کی جو توجیہات کی ہیں" ان کا خود مَیں نے انکار کیا ہے اور اسی بنا پر مَیں نے اس کتاب کی

تقریظ و تصدیق نہیں کی" اور یہ کہ "اس کتاب کی اشاعت میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے"، انہوں نے بالکل جھوٹی بات آپ سے کہی۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے صریح اور سفید جھوٹ بولنے والے لوگ بھی مدارس عربیہ میں موجود ہیں اور گروہِ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن سے دریافت کیجئے کہ یہ باتیں اُن کو آخر کس ذریعۂ علم سے معلوم ہوئی ہیں؟

آپ نے اگر مفتی صاحب کی کتاب کو بغور پڑھا ہوتا تو آپ کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی بلکہ آپ خود ہی سمجھ لیتے کہ یہ بالکل ایک من گھڑت بات ہے جو ان مولوی صاحب نے آپ سے کہی ہے، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ اس کتاب پر میری کسی تصدیق کی سرے سے کوئی حاجت ہی نہ تھی۔ مفتی صاحب نے میری کسی عبارت کی توجیہ بھی بطورِ خود نہیں کر دی ہے۔ ہر توجیہ کے ثبوت میں انہوں نے خود میری ہی عبارتوں اور ان کے سیاق و سباق سے استدلال کیا ہے اور وہ عبارتیں پوری پوری نقل کر دی ہیں جن سے میرا اصل مدعا خود ہی آئینے کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اِس ثبوت اور اِن دلائل کے بعد میری تصدیق کی ضرورت صرف دو ہی قسم کے آدمی محسوس کر سکتے ہیں۔ یا تو وہ جو کسی علمی بحث کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یا پھر وہ جو صریح دلیل و ثبوت سامنے آجانے کے بعد بھی حق بات کو نہیں ماننا چاہتے اور فتنہ پردازی کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

ان مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ اگر میرے نزدیک یہ کتاب درست تھی تو میں نے اس پر تقریظ کیوں نہیں لکھی، ان کے ذہن کی پستی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ اپنی حمایت اور منقبت میں کتابیں لکھوانا اور خود ان پر تقریظیں لکھنا چھچھورے لوگوں کا کام ہے۔ میں نے مفتی صاحب سے یا کسی دوسرے صاحب سے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ میری حمایت میں کوئی کتاب لکھیں۔ مفتی صاحب نے خود ہی اپنی دیانت اور حق پسندی کے اقتضا سے یہ کتاب لکھی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بات اگر دلیل کے اعتبار سے وزنی ہے تو وہ خود اہلِ علم کے حلقوں میں اپنا اثر پیدا کر لے گی۔ میری کسی تقریظ کی وہ محتاج نہیں ہے۔

اصل صورت معاملہ یہ ہے کہ مفتی صاحب کی اس کتاب سے اُن بہت سے حضرات کی دیانت مشتبہ ہو گئی ہے جو جان بوجھ کر میری عبارتوں کو توڑنے مروڑنے اور زبردستی ان کے اندر کفر و الحاد اور

ضلالت کے معنی بھرنے میں مشغول رہے ہیں۔ میں نے کبھی ان کی ان زیادتیوں کی پروا نہیں کی، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جھوٹ کی ناؤ زیادہ دیر تک چل نہیں سکتی، اور اللہ تعالیٰ ایک روز ان کی پردہ دری کر کے رہے گا۔ اب جب اُنہی کے حلقے کے ایک انصاف پسند آدمی کے ہاتھوں اللہ نے یہ پردہ دری کرا دی ہے تو وہ اس پر چراغ پا ہو رہے ہیں، حالانکہ یہ حرکاتِ مذبوحی ان کو اور زیادہ رُسوا کر دیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض میری طرف سے مفتی صاحب کی توجیہات کی کوئی تصدیق یا تردید نہ ہو، اور مفتی صاحب نے بھی میری عبارتوں سے میرا مدعا واضح کرنے کے بجائے خود اپنی طرف سے ہی میرے اقوال کی ایک ایسی توجیہ کر دی ہو جس سے وہ اعتراضات رفع ہو جاتے ہوں جو مخالفین کی طرف سے مجھ پر وارد کیے جاتے ہیں، تو آخر شریعت کے کس قاعدے کی رُو سے ایک دیانتدار انسان یہ رویّہ اختیار کر سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے قول کی جہاں دو توجیہیں ممکن ہوں، جن میں سے ایک کی بنا پر اسے مطعون نہ کیا جا سکتا ہو اور دوسری کی بنا پر وہ مُلزم قرار پاتا ہو، تو وہ پہلی توجیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور دوسری توجیہ ہی پر اصرار کرتا رہے؟ اس کا یہ اصرار تو خود اس بات کی علامت ہو گا کہ وہ لِلّٰہ فی اللہ اس مسلمان سے اختلاف نہیں رکھتا بلکہ عناد اور کینہ کی بنا پر مخالفت کر رہا ہے جس کے متعلق حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ ھی الحالقہ۔

سیاہ خضاب کا استعمال

سوال۔ خضاب کے جواز یا حُرمت کے متعلق ایک جواب ستمبر ۲۰؁ء کے ترجمان میں شائع شدہ نظر سے گزرا۔ اس پر مزید بحث و اضافہ کی ضرورت ہے۔ سیاہ خضاب سے بچنے کا حکم جب حدیث میں موجود ہے تو اس کے جواز کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔ فقہائے حنفیہ نے بھی اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ صحیح حدیث میں بالوں کو کالا نہ کرنے کے لیے صیغۂ نہی اور مہندی لگانے کے لیے صیغۂ امر آیا ہے، اور اسی کے مطابق حضرت ابوبکر کے والد کو مہندی لگائی گئی تھی۔ اسی کے مطابق ہمارا عمل ہونا چاہیے۔

جواب۔ (از ملک غلام علی صاحب) اس میں کوئی شک نہیں کہ خضاب سے متعلق سند کے اعتبار سے صحیح ترین

حدیث جو مسلم میں وارد ہے، وہ یہی ہے کہ جب حضرت ابوقحافہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آنحضورؐ نے ان کی سفید ڈاڑھی کو دیکھ کر فرمایا: غیروا ھذا الشیء وجنبوہ السواد (ان کے بالوں کو رنگ دو مگر سیاہ رنگ سے بچو)۔ اس حدیث میں مہندی لگانے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقحافہ کو سرخ خضاب لگایا گیا۔

اس کے بالمقابل ابن ماجہ، کتاب اللباس کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ان احسن ما اختضبتم به لھذا السواد۔ یہ حدیث سیاہ خضاب کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر بعض محدثین کے نزدیک اس کی سند ضعیف ہے۔ میں نے اپنے سابق جواب میں دونوں طرح کی ہدایات کو وجوب کے بجائے استحباب یا تنزیہ پر محمول کرکے ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم کی حدیث میں سیاہ رنگ سے اجتناب کے لیے نہی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے لیکن میں نے تحریم کے بجائے تنزیہ کے معنی اور مفہوم کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ دوسری طرف غیروا میں جو امر ہے وہ بھی وجوبی نہیں، بلکہ استحبابی ہے۔ ورنہ اس امر کو بھی اگر وجوب و لزوم کے درجے میں رکھا جائے تو پھر ڈاڑھی اور سر کو رنگین کرنا بھی ہر حال میں فرض ہوگا اور سفید رکھنا ممنوع ہوگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور یہ بات بدیہی طور پر غلط ہے۔ اس قرینے کے پیش نظر مناسب یہ ہے کہ حرمت قطعی پر اصرار نہ کیا جائے۔

سلف میں سے بھی بعض نے اسی پہلو کو لے کر احادیث میں مطابقت پیدا کی ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں طبرانی کا یہ قول نقل کیا ہے: الامر والنھی فی ذلک لیس للوجوب بالاجماع ولھذا لم ینکر بعضھم علی بعض خلافه (اس معاملے میں امر و نہی وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی پر اجماع ہے اور اسی لیے اس معاملہ میں اختلاف کرنے والوں نے ایک دوسرے پر نکیر نہیں کی)۔ امام نووی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام زہری کے علاوہ ایک جماعتِ سلف نے سیاہ خضاب لگایا ہے جن میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمانؓ

حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، عقبہ بن عامر، ابن سیرین اور دوسرے حضرات شامل ہیں۔ احناف کا رجحان بلاشبہ تحریم کی جانب ہے لیکن انہوں نے بھی بعض حالات میں (مثلاً مجاہدین کے لیے) سیاہ خضاب کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ حرمتِ قطعیہ میں جواز یا تو منصوص اجازت سے پیدا ہوتا ہے یا پھر اضطرار یا اختیارِ اَہْوَن کے اصول سے سفید ریش مجاہدین کے لیے استثناء کا حدیث میں مذکور ہونا میرے علم میں نہیں ہے اور نہ خضاب کی سیاہی کوئی

ایسا زبردست آلۂ جہاد ہے جس کا استعمال ضروری اور ناگزیر ہو اور جس کے عدمِ استعمال سے ضررِ شدید لاحق ہو۔ اس لیے میرے نزدیک حضراتِ حنفیہ کا مسلک بھی زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی ثابت کرتا ہے۔

آپ اگر سیاہ خضاب کو ممنوع سمجھتے ہیں تو ضرور اسی کے مطابق عمل کریں۔ میں بھی اسے نہ استعمال کرتا ہوں نہ اس کی ضرورت و افادیت کا قائل ہوں۔ مگر شریعت نے جس چیز میں وسعت رکھی ہو اس میں دوسروں پر تنگی چاہنا اور جھگڑنا صحیح نہیں ہے۔

بائیبل میں تحریف کا ثبوت

سوال:- میں ایک کالج میں زیرِ تعلیم ہوں۔ میرے ساتھ ایک عیسائی لڑکا پڑھتا ہے جس سے مذہبی بحث ہوتی رہتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بائیبل میں تحریف ہو چکی ہے تو اس نے انکار کیا، ثبوت طلب کیا اور بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں بحرِ مردار کے کنارے انجیل کے بعض نسخے ملے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ موجودہ بائیبل قطعی صحیح ہے۔ آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ بائیبل کے مسخ ہونے کا ثبوت کیسے فراہم کیا جا سکتا ہے؟

دوسری بات اس نے یہ کہی کہ حضرت موسیٰؑ نے پیشین گوئی کی تھی کہ میرے بعد ایک آخری نبی آئے گا جس کا نام عیسیٰؑ ہو گا؟

جواب (از ملک غلام علی صاحب) تعجب ہے کہ آپ کا عیسائی دوست بائیبل کی تحریف سے انکار کرتا ہے، حالانکہ اس میں تحریف ہر وہ شخص بآسانی محسوس کر سکتا ہے جس نے کبھی اسے پڑھا ہو اور اس کی ترتیب اور مضامین پر غور کیا ہو۔ بائیبل کا محرّف ہونا اب ساری دنیا، حتیٰ کہ عیسائی و یہودی اہلِ علم و تحقیق کے نزدیک بھی ایک مسلّمہ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ بائیبل پر تنقید اب ایک مستقل فن بن چکا ہے، جس میں آئے دن کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔

مختصراً آپ یہ سمجھ لیں کہ ایک کتاب میں تحریف کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ کتاب

جس شکل میں ابتداءً وجود میں آئی تھی اس کے اندراجات میں اضافہ کردیا جائے یا کمی کردی جائے، یا اس کے مضامین میں تغیر و تبدل کردیا جائے، یا جس زبان میں وہ کتاب آغاز میں موجود تھی وہ زبان مٹ جائے، یا اس کتاب کا ترجمہ در ترجمہ دوسری زبانوں میں کردیا جائے اور اصل کتاب باقی نہ رہے۔ آپ اپنے دوست سے پوچھیے کہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں کا مجموعہ جو آج دنیا میں بائبل کے نام سے پایا جاتا ہے، ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی اس زبان میں موجود ہے جس زبان میں وہ ابتداء میں نازل ہوئی تھی اور جو اس نبی اور اس قوم کی زبان تھی جس میں یہ کتاب اُتری تھی؟ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی (ARAMAIC) تھی، کیا اس زبان میں انجیل (نیو ٹسٹامنٹ) آج کہیں موجود ہے؟

پھر عہد عتیق و عہدِ جدید (اولڈ اینڈ نیو ٹسٹامنٹ) کو جو شخص آنکھیں کھول کر پڑھے، وہ دیکھے گا کہ اس میں صرف خدا کا کلام (WORD OF GOD) ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں انبیاء کا اپنا کلام بھی ہے (جسے ہم حدیث کہتے ہیں)۔ اس میں غیر انبیاء کی طرف سے خدا اور رسولوں کے اقوال کی تشریح و تفسیر بھی ہے۔ اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کی قومی و مذہبی تاریخ بھی ہے اور ان کے مذہبی قانون کی وہ جزئیات بھی ہیں جو نبیوں کے بعد علماء نے مرتب کیں (جسے ہم فقہ کہتے ہیں)۔ بائبل کے عہدِ قدیم (اولڈ ٹسٹامنٹ) میں حضرت موسیٰؑ کی وفات اور عہدِ جدید میں حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دیئے جانے اور صلیب پر اُن کے جان دینے کا ذکر بھی موجود ہے۔ کیا اپنی وفات کے واقعات انبیاء خود بیان کرسکتے تھے یا ان کے حینِ حیات اللہ تعالیٰ اس شکل میں بیان فرما سکتا تھا جیسے ایک گزشتہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ انجیل کے چاروں مصنفوں کا تو نام بھی الگ الگ کتابوں میں درج ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ انسان کی تصنیف نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے؟

پھر آپ اپنے دوست سے پوچھیے کہ ان کتابوں میں انبیاء و صلحاء کی جو گھناؤنی تصویریں پیش کی گئی ہیں کیا نعوذ باللہ یہ خدا کی پیش کردہ ہیں۔ مثلاً حضرت لوطؑ پر اپنی بیٹیوں سے زنا کا الزام، حضرت یعقوبؑ کی بیٹی اور بیٹے پر زنا کا الزام، حضرت داؤدؑ اور ان کے لڑکے پر تہمتِ زنا، حضرت سلیمانؑ پر شرک و بت پرستی کا الزام۔ ان شرمناک اتہامات کی بائبل میں موجودگی کے بعد کوئی شخص کیا یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ

یہ کتابیں تحریف سے پاک ہیں :

آپ کے دوست کی یہ بات بھی قطعاً غلط ہے کہ بحرِ مُردار کے مخطوطات سے انجیل کی صحت ثابت ہوئی ہے، بلکہ اس کے برعکس ان سے تو پوری عیسائی دنیا میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، کیونکہ ان کے مضامین مروّج انجیل سے بالکل مختلف ہیں۔ آپ کے ہم جماعت یا تو جاہل ہیں یا محض دھونس جمانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ آخری نبی حضرت عیسیٰ ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر حضرت مسیحؑ یہ کیوں فرماتے کہ میرے بعد بھی ایک نبی آئے گا اور جب تک میں نہ جاؤں وہ نہ آئے گا۔

تصحیح

تفہیم القرآن جلد اوّل، صفحہ ۱۴۱، حاشیہ ۱۸۳ کے آخر میں حسبِ ذیل عبارت چھوٹ گئی ہے، جن حضرات کے پاس یہ جلد موجود ہو وہ اس میں یہ اضافہ کر لیں۔

اور انہیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے رمضان میں ان سے چھوٹ گئے ہیں۔